

پشاور شہر کے دروازے: ایک تاریخی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر فخر الاسلام*

Abstract

Peshawar is one of the oldest cities of the Subcontinent. Like other components associated with old cities, boundary wall round the city is a prominent feature of Peshawar. The city inside the wall is called "Androon-e-Shehar" or walled city. One could enter the walled city through different gates. In Peshawar those gates were 16 in number. They were given different names depending upon the kind of people and places inside or areas outside the gates. The walled city and its gates were damaged by people through encroachments. Except for few hundred feet of the wall and 4 to 5 of the gates could survive. However, people who loved culture and heritage tried not only to preserve the remaining parts but also to restore the damaged and encroached parts. Now, most parts of the wall and gates have been restored. In this paper, an attempt has been made to give full picture of the wall and its 8 gates. Besides getting information from various sources, the researcher himself visited all those areas which have been discussed in the article. Moreover a group of students also interviewed dwellers of the area.

اقتباس

پشاور کا شمار جنوبی ایشیاء کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ پرانے شہروں میں جہاں دوسری چیزیں اُن کی پہچان بن چکی ہیں وہاں شہر کے ارد گرد فصیل کی تعمیر اور اندر باہر

* ڈائریکٹر پاکستان سٹڈی سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور۔

جانے کے دروازے بھی ایک مشترکہ ورثہ بن گئے تھے۔ دوسرے شہروں جیسے دہلی، لاہور اور ملتان کی طرح پشاور کے ارد گرد دیوار اور اُن میں کل سولہ دروازے تعمیر کئے گئے تھے۔ ان دروازوں کے مخصوص نام تھے، یہ نام مختلف اسباب کی وجہ سے دئے گئے تھے یعنی یا تو دروازے جن علاقوں کی طرف کھلتے تھے وہ نام جیسے کابلی، ہشتنگری، کوہاٹی اور لاہوری دروازے یا پھر دروازوں کے آس پاس مقامات یا لوگوں کی وجہ سے جیسے ڈبگری، یکہ توت، آسیہ اور گنج وغیرہ۔ بد قسمتی سے لوگوں نے مختلف اوقات میں ناجائز تجاوزات کی شکل میں فصیل شہر اور دروازوں کے زیادہ حصوں پر قبضہ کر کے ان کو مسمار کرایا تھا۔ تاہم پشاور میں ثقافت اور قومی ورثے سے محبت کرنے والوں کی کوششوں سے دیوار اور دروازوں کے زیادہ حصے واگزار کرا لئے گئے اور ان کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ فصیل شہر اور ۱۶ میں سے ۸ دروازوں کا تفصیلی و تحقیقی حال بیان کیا جائے۔ اس مقالے کے لئے صرف طبع شدہ منابع پر انحصار نہیں کیا گیا بلکہ راقم خود ان علاقوں میں گیا اور یونیورسٹی کے چند طلباء و طالبات نے علاقے کے مکینوں سے انٹرویو کئے ان کے نتیجے میں ملنے والی معلومات سے بھی استفادہ کیا گیا۔

ابتدائیہ

شہروں کے گرد فصیل تعمیر کرنے کا رواج کافی پرانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب یونان میں شہری ریاست کا تصور اُبھرا تو شہروں کے گرد دیواریں بھی بننے لگیں بابل، چین، یورپ، یونان، سلطنت روم، مشرق وسطیٰ اور دیگر خطوں میں شہروں کو دیواروں میں محفوظ کرنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بہت زیادہ قدیم اور قرون وسطیٰ دور کے شہروں کی فصیل شہر کے ذریعے حفاظت کی جاتی تھی۔ ان دیواروں کا مقصد، جیسا کہ ذکر ہوا، شہروں کو حملہ آوروں اور دیگر خطرات سے بچانا تھا۔ پشاور شہر کا شمار بھی برصغیر کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے اس کے ارد گرد فصیل شہر اگرچہ بہت قدیم ہے مگر کہا جاتا ہے کہ اس کو موجودہ شکل میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کے جرنیل ابوطیلہ نے پشاور پر سکھ دور حکومت کے

دوران تعمیر کرایا تھا۔ سکھ دور حکومت کے بعد اس میں شکست و ریخت ہوتی رہی تاہم انگریزوں نے اس کی تعمیر و مرمت پر توجہ دی۔ ایہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پشاور پر سکھوں کے قبضے کا مختصر حال بیان کیا جائے۔ پشاور پر سکھوں کے قبضے کا منصوبہ مشہور سکھ جرنیل ہری سنگھ نلوہ نے تیار کیا تھا۔ ۱۸۱۸ عیسوی تک پشاور پر افغان دُرانی خاندان کا قبضہ تھا۔ اسی سال شہر سکھوں کے قبضے میں آیا۔ سولہ سال تک مغلوب افغان حکام خراج دیتے رہے مگر ۱۸۳۴ء میں سکھوں نے اس کو دربار لاہور کے ساتھ ضم کیا۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد وہ پشاور پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ پائے اور اس شہر پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔^۲

پشاور کا پرانا شہر ۱۴۰۰ میٹر رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ فصیل شہر کی اُنچائی ۱۵ فٹ اور چوڑائی ۳ فٹ تھی۔^۳ دیوار کو اینٹوں اور گھارے سے بنایا گیا ہے باہر کی اطراف پر اینٹیں ہیں جبکہ اندر مٹی بھر دی گئی ہے اور آخر میں سرخ مٹی سے بنے گھارے کی لپٹائی کر دی گئی ہے۔ یہ دیوار آج (۲۰۱۷) میں بھی بعض مقامات پر اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تاہم دکھ کی بات ہے کہ متعدد جگہوں پر یہ تجاوزات کی زد میں آئی ہے۔^۴ (شگفتہ شاہین۔ بالا حصار۔ ص ۹)

جب ہم شہر پناہ اور فصیلوں کا ذکر کرتے ہیں تو یہ بات از خود عیاں ہوتی ہے کہ شہر کے اندر آنے اور باہر جانے کے لئے دروازے بھی ہونگے۔ پشاور کے گرد تعمیر کردہ دیوار کے مختلف حصوں اور اطراف میں دروازے بنائے گئے۔ ان دروازوں کے نام یا تو سمت کے لحاظ سے یا دوسرے حوالوں سے مشہور ہوئے۔ پشاور شہر میں کل ۱۶ دروازے تھے۔^۵ (بی بی سی ۱۶ دسمبر ۲۰۱۶) جن میں سے آٹھ کی تفصیل ذیل کی سطور میں دی جا رہی ہے:

۱۔ کابلی دروازہ

اس کو کابلی دروازہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دروازے سے نکل کر قافلے کابل کی طرف جاتے اور وہاں سے اس طرف آتے تھے۔ اس دروازے کی خاص بات یہ ہے کہ

اس کے اندر داخل ہوتے ہی مشہور ”قصہ خوانی“ بازار شروع ہوتا ہے۔ یہ بازار افغانستان، وسط ایشیاء اور دیگر علاقوں سے آنے والے تجارتی قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ تھی۔ یہاں پر جب تاجر اور ساربان رات کو جمع ہوتے تھے تو قصے کہانیاں سناتے تھے اسی نسبت سے اس کا نام قصہ خوانی پڑ گیا۔^۶ (سید عبدالقدوس۔ صفحہ نمبر ۱۸۹) اسی علاقے سے متصل ڈھکی نعلبندی، محلہ خداداد، بازار ہرازاں، بیڑ بازاں، سبزی منڈی اور موچی لڑہ کے علاقے ہیں۔ قصہ خوانی سے کئی گلیاں دائیں بائیں جانب نکلتی ہیں۔ قصہ خوانی کی ایک اور وجہ شہرت ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو یہاں رونما ہونے والا خوانی واقعہ تھا جب انگریز فوج نے مظاہرین پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں متعدد افراد شہید ہو گئے۔^۷ (اپنی کتاب سے تفصیل) واقعے کے ۹ سال بعد ۱۹۳۹ء میں قصہ خوانی کے وسط میں ان شہداء کی یادگار تعمیر کی گئی جو آج تک قائم ہے۔ یادگار کی تعمیر کا فیصلہ پشاور شہر کی میونسپل کمیٹی نے کیا تھا۔^۸ (زاہدہ ظفر رفرنس نمبر ۱۶)

کابلی دروازے کے آس پاس بڑے جلسے بھی ہوتے رہے یہاں منعقدہ جلسوں سے برصغیر پاک و ہند کے اہم رہنماؤں محمد علی جوہر، جواہر لال نہرو، عبدالغفار خان، مولانا مفتی محمود، میاں طفیل محمد، نوابزادہ نصر اللہ خان، خان عبدالولی خان، محمد اشرف خاکسار، قاضی حسین احمد، عبید اللہ سندھی اور کئی دیگر شخصیات نے خطاب کیا۔^۹ (تمثیل صفحہ نمبر ۴۶) کابلی دروازے سے متصل باہر کی طرف خیبر بازار واقع ہے جس میں کتابوں کی مشہور دکان ”یونیورسٹی بک ایجنسی“ واقع ہے۔ اسی بازار میں اسلامیہ کلب بلڈنگ ہے جو تاریخی اسلامیہ کالج پشاور کی ملکیت ہے۔ بازار کے ایک سرے پر سویکارنو چوک ہے جو انڈونیشیاء کے عظیم لیڈر سویکارنو کے نام سے موسوم ہے۔

”یہ علاقہ اپنے قدیمی بازار اور قدیمی عمارات کی وجہ سے مشہور ہے۔ مجھے اس لئے پسند ہے کہ یہاں کے لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ اور یہاں مختلف لوگوں سے ملنا پڑتا ہے اور مختلف لوگوں سے مل کر مزا آتا ہے۔ یہاں کاروبار، تعلیم اور صحت کے مسائل دوسرے علاقوں سے اچھے ہیں۔ A-9“

۲۔ باجوڑی گیٹ

اگرچہ اس کے نام سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ یہ دروازہ باجوڑ ایجنسی کی طرف کھلتا تھا اس لیے اس کو باجوڑی گیٹ کہا گیا تاہم یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ باجوڑ شہر کے شمال مغرب میں واقع ہے جس کی طرف ہشتنگری اور دیگر دوازے کھلتے ہیں۔ اس دروازے کو جہانگیر پورہ دروازہ بھی کہتے ہیں جو کہ قابل فہم ہے کیونکہ اس کے قریب مشہور بازار جہانگیر پورہ واقع ہے۔ یہ گیٹ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ تاریخ پشاور کے مصنف گوپال داس کے مطابق اس دروازے کو پشاور کے ڈپٹی کمشنر میکسن نے گرایا تھا۔^{۱۰} (گوپال داس نمبر 34) اس علاقے میں جہانگیر پورہ میں رہائش اختیار کرنے والی ماریہ سے انیس الرحمان نے انٹرویو کیا۔ ماریہ نے کہا:

"ہم مردان سے پشاور منتقل ہوئے تقریباً ۱۵ سال سے رہ رہے ہیں۔ اس علاقے کے رسم و رواج میں شادی کے رواج میں مہندی کی رسم بہت نمایاں ہے۔ یہ علاقہ پشاور کی چپل اور گرم کپڑوں اور کوٹوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ مجھے یہ علاقہ بے حد پسند ہے۔ اس علاقے کے مسائل میں سرفہرست کوڑا کرکٹ کی بہتات ہے۔ 10-A"

باجوڑی دروازے کے اندر مشہور بازار نمکمنڈی واقع ہے۔ اس بازار کو نمک منڈی اس لئے کہتے ہیں کہ کوہاٹ اور بنوں سے تاجر معدنی نمک لاکر یہاں بیچتے تھے۔ اس بازار کی ایک اور وجہ شہرت یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران ۱۹۲۰ء میں جب ہندوستان بھر سے لوگ ہجرت کی خاطر پشاور آئے تو شہر کے لوگوں نے ان کو یہاں ٹھرایا۔^{۱۱} (اپنی کتاب سے مزید تفصیل) جدید دور میں نمک منڈی روایتی پشاور کی خوراک تکہ اور قیمتی پتھروں کی دکانوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

۳۔ ڈبگری دروازہ

ڈبگری دروازہ فصیل شہر کے مغربی حصے پر واقع تھا۔ آج کل اس کا ایک ستون باقی ہے۔ اس کے نام کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں صندوق بنانے والے گارگریوں کی دکانیں تھیں۔ مقامی زبان میں صندوق کو ”ڈبہ“ اور ”گری“ بنانے کو کہتے ہیں۔ اس لئے اس

کا نام ڈبگری پڑ گیا۔ ۲۱ (A H Dani نمبر ۳۷) بازار کی ایک اور وجہ شہرت یہ ہے کہ یہاں موسیقی سے تعلق رکھنے والے لوگ بالاخانوں میں رہتے ہیں جن میں ہر قسم کے آلات موسیقی بجانے والے اور ناچ گانے والی رقاصائیں اور خولجہ سراء شامل ہیں۔ ڈبگری دروازے سے متصل ڈبگری بازار چارپائی، بان کی مصنوعات اور دیگر گھریلو اشیاء کے لئے بھی مشہور ہے۔ اس دروازے کے قریب انگریز دور کا مشن ہسپتال بھی قائم ہے جو ۱۸۵۹ء میں تعمیر کیا گیا۔ ۱۳ (خاطر غزنوی نمبر ۳۹)

سعدیہ صالح کو اس علاقے کے باشندے بابر نے اہم مسائل کچھ اس طرح بتائے:

"یہاں پر گلیاں بہت تنگ ہیں جس کی وجہ سے گاڑیوں کی آمد و رفت میں لوگوں کو کافی مشکلات کا سامنا ہے اور ایک گھر کے آوازیں دوسرے گھر والے آسانی سے سنتے ہیں۔ اس علاقے میں گھر پرانے زمانے کے ہیں جو کڑیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ جو بہت بوسیدہ اور خطرناک ہیں۔ 13-A"

اس سے آگے قدیم گرلز سکول "لیڈی گرفتھ سکول" قائم ہے۔ کسی زمانے میں یہاں خوبصورت پارک ہوا کرتا تھا جس کو ڈبگری گارڈن کہتے تھے مگر آبادی بڑھنے کی وجہ سے پارک میں مکانات اور مارکیٹیں وغیرہ تعمیر ہو چکے ہیں۔ آجکل یہ علاقہ ڈاکٹروں کے پرائیویٹ پریکٹس کے لئے مشہور ہے جہاں بلامبالغہ ہزاروں ڈاکٹر اپنے نجی کلینکوں اور درجنوں پرائیویٹ ہسپتالوں میں مریضوں کا علاج بھاری فیسوں کے عوض کرتے ہیں۔

۴۔ رامداس دروازہ

یہ دروازہ بھی شہر کی مغربی سمت میں واقع ہے۔ اس دروازے کا نام و نشان نہیں چونکہ اس دروازے کے پاس مشہور علاقہ بھانہ ماڑی واقع ہے اس لئے بعض لوگ اس کو بھانہ ماڑی دروازہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۴ (گوپال داس نمبر ۴۱) اس دروازے کے قریب مشہور تاریخی مقام کوئلہ محسن خان واقع ہے۔ یہ ایک یادگار عمارت ہے جس میں دو گنبد اور ایک دروازہ شامل ہے۔ اس عمارت کے بانی کے بارے میں معلوم نہیں اگرچہ اسلامی تاریخ میں بہت ساری شخصیات محسن خان کے نام سے گزری ہیں۔ خیال بخاری کے مطابق کہ ایک

شخصیت محبت اللہ خان کو عمارت کی زمین مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے تحفہً دی تھی۔ محبت اللہ خان کا ایک بیٹا پشتو زبان کا بہت بڑا شاعر تھا جن کا نام معض اللہ خان تھا۔ معض اللہ خان کے چچا زاد بھائی کا نام محسن خان تھا اور یہ کوئلہ ان ہی کے نام سے مشہور ہوا البتہ یہ معلوم نہیں کہ یہ کوئلہ اصل مالک کی بجائے ان کے بھتیجے کے نام سے کیسے موسوم ہوا ہے۔^{۱۵} (رافعہ وحید نمبر ۴۳)

محمد فاروق کو اس علاقے میں ایک رہائشی ملا جن کا خاندان بنیادی طور پر افغانستان سے آکر یہاں آباد ہوا تھا۔ اس کا نام اسماعیل اور والد کا نام عمر تاج تھا، آپ نے کہا: "ہم یہاں افغانستان سے آئے ہیں۔ یہاں ہم پچھلے 90 سالوں سے زندگی گزار رہے ہیں۔ بنیادی طور پر مجھے اپنے ہجرت کی اصل وجہ معلوم نہیں، کیونکہ ہم بہت پہلے آئے ہیں۔ جو میں اپنے بزرگوں سے سنتا آ رہا ہوں وہ روزگار کی تلاش میں آتا تھا۔" 15-A کوئلہ محسن خان سے کچھ فاصلے پر ڈھیری باغبانان کا علاقہ ہے جو کسی زمانے میں پھلوں اور سبزیوں کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ اس دروازے کی ایک اور تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہاں کے مغل گورنر ناصر خان نے افغانستان سے حملہ آور نادر شاہ کو ۱۷۴۱ء میں حملے کے دوران راستہ دیا تھا۔ پشاور شہر میں واقع چوک ناصر خان بھی غالباً اس گورنر کے نام سے موسوم ہے۔

۵۔ سر آسیہ یا بے رسکان دروازہ

یہ دروازہ اس زمانے کے فصیل شہر کے جنوبی حصے میں بنایا گیا تھا۔ سر آسیہ کا مطلب پن چکی ہے چونکہ اس علاقے میں پن چکی واقع تھی۔ فارسی زبان میں آسیہ پن چکی کو کہتے ہیں جب کہ سر کا مطلب تھا اس سرا۔ اس دروازے کے دوسرے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس علاقے میں بڑی تعداد میں بے روزگار لوگ رہتے تھے جنہیں مقامی زبان میں "بے رزقان" یعنی بغیر رزق کے کہتے تھے اسی مناسبت سے اس کا ایک نام بے رزقان بھی پڑ گیا۔^{۱۶} (خاطر غزنوی نمبر ۴۵) تقسیم ہند سے قبل یہ علاقہ زیادہ تر ہندو آبادی پر مشتمل تھا اس دروازے کے اندر نئی شاہ مردان کا مزار بھی ہے۔ سر آسیہ گیٹ

آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اسی دروازے کے باہر پشاور شہر کا مشہور دینی مدرسہ دارالعلوم سرحد واقع ہے۔

شازیہ ملک جو اس دروازے کے اندرونی حصے میں رہتی ہیں، سعدیہ کو اپنے ہاں کی رسوم و رواجوں کے بارے بتانے لگی:

"اس علاقے میں بھی باقی علاقوں کی طرح رسم و رواج ہیں اور پرانے زمانے میں یہاں کے لوگ دہن کو ڈولی میں لاتے تھے اور دولہے کو گھوڑے پے لاتے تھے اور ایک پرانا رسم جو ہر دولہے کے ساتھ کیا جاتا تھا ڈولی لانے کے بعد دولہے کو اس کے دوست لے جا کے اس پہ ساتھ نکلنے کے پانی ڈالتے تھے۔ اب جب شادیاں ہالوں اور ہوٹلوں میں ہونے لگی ہیں تو یہ رسم معدوم ہوتی چلی جارہی ہیں۔ 17-A"

۶۔ سرد چاہ دروازہ

یہ دروازہ ۱۹۰۳ء میں تعمیر کیا گیا۔ اس کے نام کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں ٹھنڈے پانی کا ایک کنواں ہوا کرتا تھا جس کی مناسبت سے اس کو سرد چاہ کہا گیا۔ یہ کنواں بدھ مت کے دور میں کھودا گیا تھا۔ ۱۷ (مجاہد اکبر نمبر ۵۲) اس دروازے سے متصل مشہور محلہ ”جوگن شاہ“ ہے جہاں کسی زمانے میں ہندو مذہبی رہنما بھائی جوگا نے رہائش اختیار کی تھی جس کے سبب اس کو جوگن شاہ کہا جانے لگا۔ یہاں آجکل سکھوں کی بڑی تعداد رہائش پذیر ہے۔ اس دروازے سے باہر شہر کی دوسری طرف وزیر باغ کی طرف راستہ جاتا ہے جب کہ اُسی جانب یکہ توت دروازہ بھی قائم ہے۔

اسی دروازے کے قریبی رہائشی علاقے کے باشندے بلال نے سیف اللہ کو علاقے کے مکینوں کو درپیش مسائل کا ذکر کچھ اس طرح کیا:

"چھوٹے چھوٹے مسائل تو بہت زیادہ ہیں لیکن ٹریفک کا مسئلہ سب سے زیادہ گھمبیر ہے۔ اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے ناک میں دم کر رکھا ہے میرے حساب سے ٹریفک کے بعد بجلی کی لوڈ شیڈنگ سب سے اہم مسئلہ ہے۔ 17-A"

۷۔ سرکی دروازہ

سرد چاہ دروازے کے بالکل قریب سرکی دروازہ واقع ہے یہ فصیل شہر کے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس کے نام کے حوالے سے دو آراء پائی جاتی ہے۔ مورخ گوپال داس کے مطابق کہ اس گیٹ سے متصل ایک سڑک گزرتی تھی جس کی مناسبت اسی کو ”سرکی“ یا ”سرکی“ گیٹ کہا جانے لگا۔ ۱۸ (گوپال داس نمبر ۱۴۳)

دوسری طرف مختار علی نیئر کہتے ہیں کہ اس کو ”شرقی“ دروازہ کہتے تھے یہ نام بگڑ کر ”سرکی“ ہو گیا۔ ۱۹ (تمثیل ریاض صفحہ نمبر ۵۸) سرکی گیٹ سے شہر کی دیوار آگے بڑھتی تو کوہاٹی دروازہ آتا ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ شہروں میں لوگ بہتر معیار زندگی کے لئے منتقل ہوتے ہیں تو یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ پاکستان سٹڈی سینٹر پشاور یونیورسٹی کی طالبہ شبانہ نواب کو اس کام پر لگادیا گیا تھا کہ وہ سرکی دروازے کے علاقے میں نئے آنے والے یا ۱۹۷۰ کے بعد دوسرے علاقوں سے آکر سکونت اختیار کرنے والوں کے حالات و اعداد و شمار جمع کریں، تو آپ کی ملاقات محمد اسلام سے ہوئی۔ انہوں نے بتایا:

میں مردان سے پشاور منتقل ہوا۔ میں اور میرا خاندان پشاور شہر کے اس علاقے میں ۱۹۷۰ء سے رہ رہے ہیں۔ ہم مشترکہ کنبہ کے لوگ تھے۔ کچھ عرصے بعد میرے خاندان کے دوسرے لوگ مردان واپس جا کر آباد ہوئے جبکہ میں اپنے بچوں کی بہتر مستقبل بنانے کیلئے یہاں پر مستقل طور پر رہنے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ میرے بچے اچھی تعلیم حاصل کریں اور مجھے اچھی روزگار ملے۔ چنانچہ مجھے محکمہ پولیس میں نوکری ملی اور میرے سارے بچے اللہ کے فضل سے پڑھ لکھ گئے۔ 19-A"

۸۔ کوہاٹی دروازہ

یہ دروازہ شہر کے جنوب کی طرف کھلتا ہے۔ اس کا نام کوہاٹی اس لئے پڑ گیا کہ یہ کوہاٹ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ دروازہ ۱۹۴۱ء میں بنا۔ ۲۰ (A H Dani نمبر ۵۹) اس دروازے کے اندر ”پری چہرہ“ کا مزار واقع ہے یہ خاتون نادر شاہ کی بیوی تھی جو ان کے ہندوستان پر حملے کے وقت پشاور میں وفات پا گئی تھی اور اس کو وہیں پر دفن کیا گیا تھا۔ از (مختار علی

نمبر 61) اس سے تھوڑا آگے سرداران پشاور کا بنگلہ تھا جس کو انگریزوں نے گرا کر مشن سکول تعمیر کرایا تھا۔ تھوڑا آگے ایک بزرگ قاضی مظہر علی شاہ کا مزار بھی واقع ہے۔ کوہاٹی دروازے کے بیرونی جانب عیسائیوں کی بستی ہے۔

پشاور یونیورسٹی کی طالبہ مرینہ خان نے اس علاقے علاقے پر مرتب کردہ اپنی رپورٹ میں لکھا:

"میں جب آگے بڑھی تو کوہاٹی گیٹ کے علاقے میں پہنچی۔ یہاں معلومات میں اضافہ ہوتا گیا پہلی بار ہندکو بولنے والے سے ایک اڈھیڑ عمر شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے کام میں مگن تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں ہر پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ زیادہ تر لوگ تقریباً کشمیر سے منتقل ہو کر یہاں رہائش پذیر ہوئے۔" ۲۲

اختتامیہ

یہ تحقیقی مقالہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ راقم نے تاریخی حوالوں اور غیر شائع شدہ مواد سے استفادے کے علاوہ نہ صرف خود ان تمام دروازوں کا موقع پر جا کر براہ راست مشاہدہ کیا بلکہ طلباء و طالبات کی ایک ٹیم جنہوں نے پشاور کے فسیل شہر کا دورہ کیا تھا، ان کی رپورٹوں سے بھی بعض تفصیلات کو مقالے کا حصہ بنایا۔ اگرچہ دورِ جدید میں شہروں سے فسیل اور دروازوں کا رواج ختم ہو گیا ہے لیکن لگتا ہے کہ ان کی ضرورت اب بھی ہے۔ مثال کے طور پر اگر یہ اصول اپنا یا جائے کہ جہاں بھی نیا شہر بسایا جائے گا اس کے فسیل سے باہر کسی قسم کی آبادی کی اجازت نہیں دی جائیگی تو اس سے شہروں کے بے ڈھنگے پھیلاؤ کو روکا جاسکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ ہمارے ہاں امن و امان کی صورت حال اب بھی بہتر نہیں اس لئے فسیل شہر اور دروازے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں تین مثالیں دی جاسکتی ہیں: اول یہ کہ ۱۹۹۰ کی دہائی سے کراچی میں امن و امان کی صورت حال خراب ہونے کی وجہ سے وہاں بہت سارے سول اور ملٹری مقامات پر فسیلیں اور دروازے بنائے گئے ہیں۔ دوسری مثال پشاور کی چھاوٹی کا علاقہ ہے جہاں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کے بعد امن امان کی ابت

صورتِ حال کے بعد کینٹ کے اندر جانے والی اکثر سڑکوں کو بند کر کے اُن کے داخلی راستوں پر گیٹ لگائے گئے ہیں۔ تیسری مثال پشاور یونیورسٹی کیمپس کی ہے یہ یونیورسٹی ۱۹۵۰ میں اپنے قیام سے لیکر ۱۹۸۵ تک بغیر چار دیواری اور دروازوں کے کام کر رہی تھی۔ اُسی سال اس کے ارد گرد فصیل تعمیر کر کے چاروں اطراف پر دروازے نصب کئے گئے ہیں۔ ان مثالوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ فصیل اور دروازوں کا احیاء نئے انداز سے ہو رہا ہے۔

درج بالا مثالوں کے علاوہ، پورے ملک، خیبر پختونخوا اور قبائلی علاقوں میں یا تو پرانے دروازوں کو بحال کیا جا رہا ہے، یا پھر نئے دروازے تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ لاہور اور پشاور میں پرانے دروازوں کو بحال کرنے کے علاوہ ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کوہاٹ، مردان، سیالکوٹ، ہزارہ فاٹا کی کئی ایجنسیوں اور دیگر چھوٹے بڑے مقامات میں نئے دروازے بن رہے ہیں۔

پشاور کے سولہ دروازوں میں سے اکثریت دوبارہ تعمیر کئے گئے ہیں جبکہ جو باقی ہیں اُن کی تعمیر نو اور بحالی کے لئے منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فصیل شہر اور دروازوں کی تاریخ کی تدوین کے ساتھ ساتھ اگر اُن کو بحال کیا جائے تو اس سے نہ صرف ہمارا ورثہ محفوظ ہو جائے گا بلکہ امن و امان اور شہروں کے پھیلاؤ کے مسئلے بھی حل ہو جائیں گے۔

حوالہ جات

- ۱۔ بی بی سی اردو ویب سائٹ۔ ۱۶ دسمبر۔ ۲۰۱۶
- ۲۔ شفیع صابر۔ تاریخ صوبہ سرحد۔ یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور۔ ۱۹۸۵، صفحہ ۵۰۵
- ۳۔ ایضاً
- ۴۔ شگفتہ شاہین، *Qila Balahisar*, MA Thesis submitted to پاکستانی
Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1996, p.44
- ۵۔ بی بی سی۔ ایضاً
- ۶۔ Syed Abdul Qudoos, *The North West Frontier of Pakistan*, دیکھیں
Royal Book Company, Karachi, p. 189
- ۷۔ Fakhr-ul-Islam, *Khyber Pakhtunkhwa: A Political History*: دیکھیں

(1901-55), National Institute of Historical and Cultural Research

Quaid-e-Azam University, Islamabad, 2014

۸۔ ذیکھیں، Zahid Zafar, *Peshawar Under the British Rule (1849-1947)*, MA

doctoral thesis submitted to Area Study Centre University of

Peshawar, 1998, p. 2

۹۔ ذیکھیں، Tamseela Riaz, *The Gates of the Walled City of Peshawar*, MA

Thesis submitted to Pakistan Study centre, University of Pesawar,

Session 1996-98. p. 46

۹۔ اے شبانہ نواب پاکستان سٹڈی سینٹر کی غیر مطبوعہ رپورٹ

۱۰۔ گوپال داس، تاریخ پشاور، کوہ نور پبلیکیشنز، لاہور، صفحہ ۳۴

10A۔ ماریہ کا انٹرویو انیس الرحمان کے ساتھ، باجوڑی گیٹ پشاور

11- Fakhr-ul-Islam, op.cit.

۱۲۔ احمد حسن دانی، صفحہ 73

۱۳۔ خاطر غزنوی، سولہ دروازوں کا شہر، پشاور۔ غیر مطبوعہ مضمون

13A۔ بابر کا انٹرویو سعدیہ صالح کے ساتھ ڈگری دروازہ

۱۴۔ گوپال داس صفحہ نمبر ۳۴۱

۱۵۔ ذیکھیں Rafia Waheed " *Mughul Buildings of Peshawar*" BS thesis

submitted to College of Home Economics University of Peshawar,

1992, p. 35

15A۔ اسماعیل کا فاروق کے ساتھ انٹرویو، رامداس بازار پشاور شہر

۱۶۔ خاطر غزنوی، غیر مطبوعہ مضمون

۱۷۔ شازیہ کا انٹرویو محمد فاروق کے ساتھ۔ بے رزکاں دروازہ پشاور شہر

17A۔ بلال کا انٹرویو سیف اللہ کے ساتھ۔ سرد چاہ دروازہ پشاور شہر

۱۸۔ گوپال داس، صفحہ نمبر ۱۴۴

۱۹۔ ذیکھیں Tamsila Riaz, p. 58

۲۰۔ ذیکھیں Dani, p. 167 AH

۲۱۔ مختیار علی نیئر، ہندو کوک کہانیاں، سلیمان پرنٹرز پشاور۔ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۲۲

۲۲۔ مرینہ خان کی غیر مطبوعہ رپورٹ